آخری کنواں

تحقیق و تحریر: دانیال ندیم

پیشکش: سوک فریمز

تعاون: منارہ پالیسی اینڈ پریکٹس

صبح کی اذان سے کچھ پہلے، جب گاؤں کی کچی گلیوں پر رات کی نمی ابھی باقی تھی، رحمت علی کی آنکھ موٹر کی بدلی ہوئی آواز سے کھل گئی۔

پہلے ٹیوب ویل چلتا تو یوں لگتا جیسے زمین کے اندر کوئی مضبوط دل دھڑک رہا ہو۔ آج آواز میں خراش تھی—کھوکھلی، تھکی ہوئی اور وقفے وقفے سے ٹوٹتی ہوئی۔

رحمت چارپائی سے اٹھا، چادر کندھوں پر ڈالی اور صحن سے نکل کر کھیت کی طرف چل پڑا۔ اندھیرے میں موٹر کے پاس جلتا ہوا بلب دور سے کسی بیمار آنکھ کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔

پائپ کے منہ سے پانی کی جگہ پہلے ہوا نکلی، پھر مٹی ملا ایک کمزور سا دھارا بہنے لگا۔ رحمت نے جھک کر پانی ہتھیلی میں لیا۔ انگلیوں کے درمیان ریت کے باریک ذرے رہ گئے۔

"پانی نیچے چلا گیا ہے۔"

پیچھے سے اس کی بیٹی زینب کی آواز آئی۔

رحمت نے پلٹ کر دیکھا۔ سترہ برس کی زینب کتابیں سینے سے لگائے کھڑی تھی۔ وہ تحصیل کے کالج میں پڑھتی تھی اور صبح کی بس پکڑنے سے پہلے اکثر کھیت تک آ جاتی تھی۔

"پانی کہیں نہیں جاتا،" رحمت نے جھنجھلا کر کہا، "موٹر کمزور ہو گئی ہے۔"

زینب نے کنویں کی منڈیر کے ساتھ لگے نشانوں کو دیکھا۔ ہر سال پانی کی سطح ناپنے کے لیے وہ رسی کے ساتھ ایک چھوٹا سا پتھر باندھتی تھی۔ اس برس رسی پہلے سے کہیں زیادہ اندر گئی تھی۔

"پچھلے سال بھی آپ نے یہی کہا تھا۔ پھر موٹر بدلی، پائپ لمبا کیا۔ اب بھی پانی کم ہے۔"

رحمت نے جواب نہ دیا۔ سامنے گندم کی نرم کونپلیں ہلکی ہوا میں کانپ رہی تھیں۔ ان کے پیچھے سرسوں کے پھول ابھی پوری طرح کھلے نہ تھے۔ فصل اچھی ہو جاتی تو پچھلے قرض کا کچھ حصہ اتر سکتا تھا۔ پانی رک جاتا تو بیج، کھاد اور محنت سب مٹی ہو جاتے۔

اسی دوپہر چودھری بشیر کا منشی آیا۔

"چودھری صاحب نے نئی بورنگ شروع کر دی ہے،" اس نے بتایا، "چار سو فٹ سے نیچے جائیں گے۔ پانی کی فکر ختم۔ آپ بھی مستری سے بات کر لیں۔"

رحمت کے دل میں جیسے ایک دروازہ کھلا۔ چار سو فٹ۔ یعنی اس کے کھیت بھی بچ سکتے تھے۔

"خرچہ؟"

منشی نے رقم بتائی تو رحمت کی پیشانی پر پسینہ آ گیا، حالاں کہ ہوا ٹھنڈی تھی۔

شام کو گھر میں خاموشی رہی۔ اس کی بیوی سکینہ چولہے کے پاس بیٹھی روٹیاں پکا رہی تھی۔ زینب لالٹین کی روشنی میں کتاب کھولے تھی، مگر پڑھ نہیں رہی تھی۔

"زمین کا آدھا حصہ رہن رکھنا پڑے گا،" رحمت نے آخرکار کہا، "لیکن پانی آ گیا تو دو فصلوں میں قرض اتر جائے گا۔"

سکینہ نے روٹی پلٹتے ہوئے پوچھا، "اور اگر اگلے سال پانی پھر نیچے چلا گیا؟"

"تو اور نیچے جائیں گے۔"

زینب نے کتاب بند کر دی۔

"ہم سب نیچے ہی جاتے رہیں گے؟"

رحمت نے تیز نگاہ سے اسے دیکھا۔ "تمہیں کھیتی کا کیا پتا؟ کالج کی کتابیں زمین کو پانی نہیں دیتیں۔"

"اور ہر کسان کا الگ پمپ زمین میں پانی پیدا نہیں کرتا۔"

رحمت کے ہاتھ کی رگیں تن گئیں۔ "تم چاہتی ہو میں فصل سوکھنے دوں؟"

"میں چاہتی ہوں آپ صرف اپنے کھیت کا نہیں، پورے گاؤں کا سوچیں۔"

"پورا گاؤں میرے قرض کی قسط نہیں دے گا۔"

یہ کہہ کر رحمت باہر نکل گیا۔

اگلے ہفتے نئی بورنگ شروع ہو گئی۔ لوہے کی مشین دن بھر زمین کا سینہ چیرتی رہی۔ مٹی کی تہیں اوپر آتی گئیں—پہلے بھوری، پھر زرد، پھر نمکین سی سفید۔

رحمت ہر نئی تہہ کو امید کی طرح دیکھتا۔ زینب اسے زخم کی طرح۔

چوتھے دن پانی نکلا۔ تیز، ٹھنڈا اور صاف۔ رحمت نے دونوں ہاتھوں سے پیا۔ چہرہ دھویا اور ہنس پڑا۔ کئی مہینوں بعد سکینہ نے اسے یوں ہنستے دیکھا تھا۔

خبر پورے گاؤں میں پھیل گئی۔ لوگ مبارک دینے آئے۔ کسی نے کہا، "دیکھا، پانی ختم نہیں ہوتا، بس اسے ڈھونڈنا پڑتا ہے۔"

صرف بوڑھا نذیر خاموش رہا۔ اس کا کنواں گاؤں کے سب سے پرانے کنوؤں میں شمار ہوتا تھا۔ وہ منڈیر پر بیٹھا رسی لپیٹتا رہا۔

دو ہفتے بعد نذیر کا کنواں خشک ہو گیا۔

اس کے پاس نئی بورنگ کے پیسے نہ تھے۔ اس کی دو ایکڑ زمین رحمت کے کھیت سے نیچی تھی، مگر اب پانی اس کے لیے بہت گہرا ہو چکا تھا۔

نذیر اپنی پوتی کے ساتھ رحمت کے گھر آیا۔ لڑکی کے ہاتھ میں پیتل کا گھڑا تھا۔

"دو گھڑے پانی دے دو،" نذیر نے نظریں جھکا کر کہا، "گھر کا نل بھی خشک ہے۔"

رحمت نے فوراً ہاں کہہ دی۔ مگر نذیر نے کھیت کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ سے پوچھا، "رحمت، تیرے نئے پمپ کے بعد میرے کنویں میں ایک دم پانی کیوں رک گیا؟"

"میرا پمپ تیرے کنویں سے پانی نہیں کھینچتا،" رحمت نے جواب دیا، "زمین بہت بڑی ہے۔"

نذیر نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ کہا، "زمین بڑی ہے، بیٹا، مگر اس کے پیٹ میں ہر چیز بے حساب نہیں ہوتی۔"

زینب یہ گفتگو دروازے کے پیچھے سن رہی تھی۔

اس رات رحمت دیر تک سو نہ سکا۔ موٹر چل رہی تھی۔ پہلے اس کی آواز اسے تحفظ دیتی تھی، مگر اب ہر چکر کے ساتھ یوں محسوس ہوتا جیسے کوئی گہری جگہ سے سانس کھینچ رہا ہو۔

چند روز بعد چودھری بشیر کے آدمی آئے۔ نئی بورنگ کے بعد اس نے چاول کی کاشت بڑھانے کا فیصلہ کیا تھا۔ گاؤں کے کئی کسان بھی اس کے پیچھے چل پڑے۔ زیادہ پانی، زیادہ فصل، زیادہ آمدن—حساب بظاہر سیدھا تھا۔

زینب نے کالج سے واپسی پر دیکھا کہ کھیتوں کے کنارے نئے پائپ پڑے ہیں۔

اسی شام اس نے مسجد کے صحن میں گاؤں کے چند لوگوں کو جمع کیا۔ رحمت کو اس نے نہیں بلایا، مگر وہ خود چلا آیا۔

زینب نے دیوار پر ایک پرانا نقشہ لٹکایا۔ پھر ہر کسان سے پوچھا کہ اس کا کنواں کتنے فٹ گہرا ہے، پہلے کتنا تھا، اور موٹر روز کتنے گھنٹے چلتی ہے۔ اعداد مختلف تھے، مگر سمت ایک تھی: ہر سال کنویں گہرے اور پانی کے دھارے کمزور ہوتے جا رہے تھے۔

چودھری بشیر ہنس پڑا۔ "اب لڑکیاں ہمیں کھیتی سکھائیں گی؟"

زینب نے جواب دیا، "میں کھیتی نہیں سکھا رہی۔ میں صرف یہ دکھا رہی ہوں کہ ہم سب ایک ہی پانی سے کھینچ رہے ہیں۔"

"میری زمین، میرا پمپ، میرا پانی۔"

اس پر نذیر نے پہلی بار بلند آواز میں کہا، "اگر پانی صرف تیرا ہے تو میرے کنویں سے کیوں چلا گیا؟"

صحن میں خاموشی چھا گئی۔

رحمت نے نقشے پر اپنے کھیت کے سامنے لکھی گہرائی دیکھی۔ پھر نذیر کے خشک کنویں کے سامنے بنایا گیا سرخ نشان۔ اسے وہ دن یاد آیا جب اس کا باپ اسی پرانے کنویں سے ڈول بھر کر لایا کرتا تھا۔ تب پانی اتنا قریب تھا کہ بچے منڈیر سے جھانکتے تو اپنی صورت دیکھ لیتے۔

"تو کیا کریں؟" رحمت نے پہلی بار بیٹی سے سوال کیا۔

زینب نے کہا، "سب سے پہلے یہ طے کریں کہ کوئی پمپ ساری رات نہیں چلے گا۔ چاول کا رقبہ نہ بڑھائیں۔ فصلوں کے لیے باری بنائیں۔ ہر مہینے پانی کی سطح ناپیں۔ جس کا پمپ زیادہ چلے، وہ سب کے سامنے حساب دے۔"

چودھری بشیر نے طنز سے کہا، "اور اگلی بارش بھی تم طے کرو گی؟"

"بارش ہمارے اختیار میں نہیں،" زینب نے کہا، "لیکن زمین کے اندر سے کتنی تیزی سے پانی نکالنا ہے، یہ ہمارے اختیار میں ہے۔"

فیصلہ اسی رات نہ ہو سکا۔ بحث ہوئی، آوازیں بلند ہوئیں، لوگ اٹھ کر چلے گئے۔ مگر نذیر کا خشک کنواں سب کے ذہن میں رہ گیا۔

دو دن بعد رحمت نے اپنی موٹر غروب آفتاب کے بعد بند کر دی۔ اس وقت اس کی فصل کو مزید پانی دیا جا سکتا تھا، مگر اس نے پائپ کی نالی دوسری طرف موڑ دی تاکہ بچا ہوا پانی چھوٹے تالاب میں جمع ہو جائے۔

اگلی صبح وہ نذیر کے گھر گیا۔

"تمہاری زمین کو میری باری میں پانی ملے گا،" اس نے کہا، "جب تک کوئی اور بندوبست نہیں ہوتا۔"

نذیر نے اس کی طرف دیکھا۔ "قرض بڑھ جائے گا۔"

"قرض صرف بینک کا نہیں ہوتا، چاچا۔ کچھ قرض زمین کے بھی ہوتے ہیں۔"

چند ہفتوں میں گاؤں نے پانی کی باری مقرر کر لی۔ ہر کنویں پر سادہ سا میٹر تو نہ لگ سکا، مگر وقت لکھنے کے لیے تختی لگا دی گئی۔ دو کسانوں نے کم پانی مانگنے والی فصل آزمائی۔ تالاب کے کنارے شیشم کے پودے لگائے گئے۔ چودھری بشیر نے پہلے انکار کیا، پھر جب اس کے نئے پمپ کا دھارا بھی کمزور پڑا تو وہ اجلاس میں آ بیٹھا۔

مسئلہ ختم نہیں ہوا تھا۔ پانی واپس اوپر نہیں آیا تھا۔ قرض بھی باقی تھا، اور ہر بادل بارش کا وعدہ نہیں کرتا تھا۔

مگر اب رات بھر موٹریں ایک دوسرے سے مقابلہ نہیں کرتیں تھیں۔

ایک صبح زینب نے رسی کنویں میں اتاری۔ پتھر پانی سے ٹکرایا تو ہلکی سی آواز آئی۔ سطح پچھلے مہینے سے کچھ ہی بہتر تھی—اتنی نہیں کہ جشن منایا جاتا، مگر اتنی ضرور کہ زوال کی رفتار تھمی ہوئی محسوس ہو۔

رحمت اس کے پاس کھڑا تھا۔

"کتنا پانی ہے؟" اس نے پوچھا۔

زینب نے رسی پر نشان لگاتے ہوئے کہا، "ابھی اتنا کہ اگر ہم سمجھ داری سے رہیں تو سب کے لیے بچ سکتا ہے۔"

رحمت نے کنویں کے اندر جھانکا۔ گہرائی میں پانی دکھائی نہیں دے رہا تھا، صرف آسمان کا ایک چھوٹا سا عکس لرز رہا تھا۔

اس نے پہلی بار محسوس کیا کہ کنواں صرف زمین میں کھودا ہوا سوراخ نہیں ہوتا۔

وہ گاؤں کے مستقبل کی آنکھ بھی ہوتا ہے۔

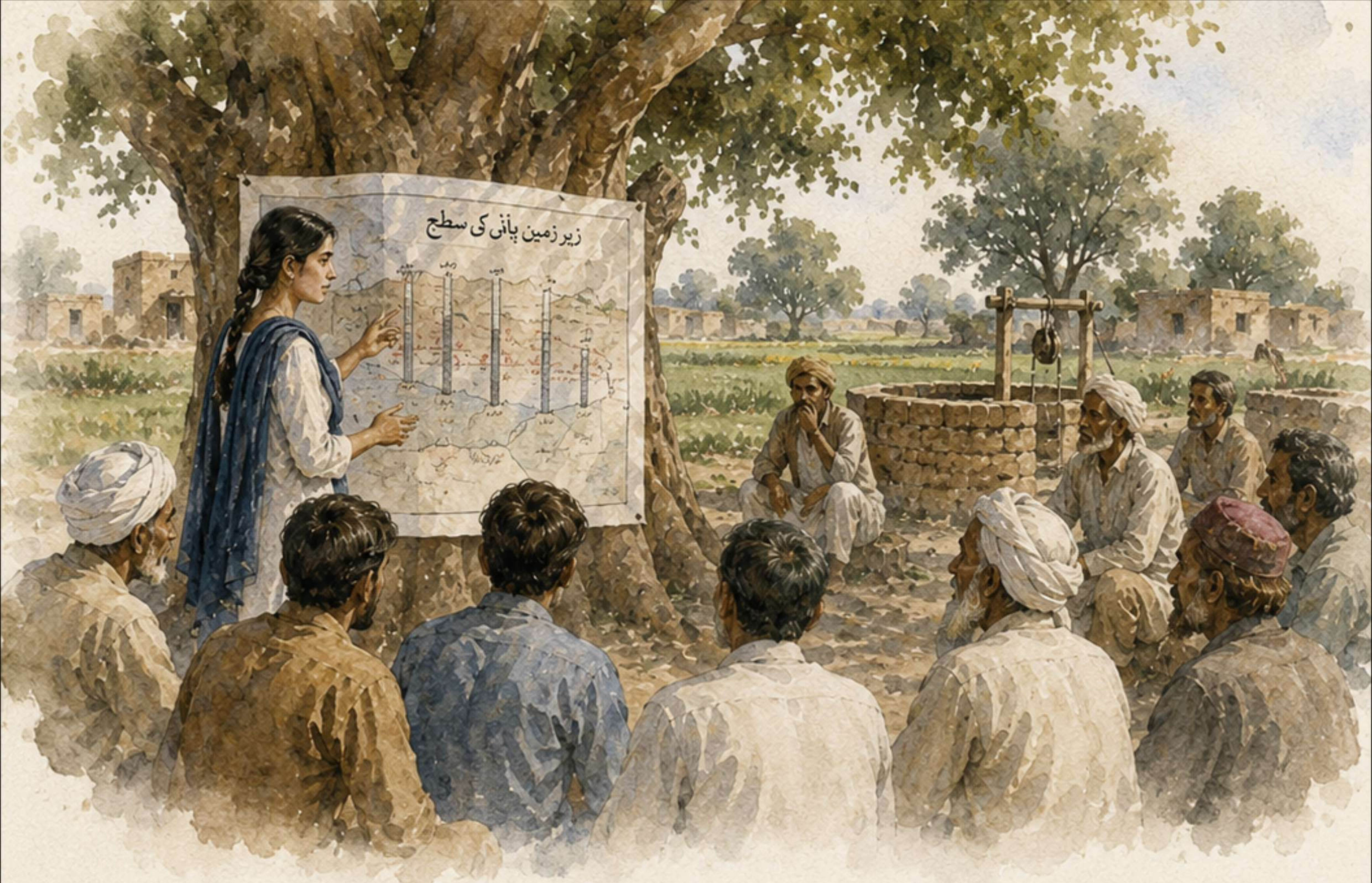

ماخذی نوٹ

یہ کہانی World Bank کی رپورٹ "Continental Drying: A Threat to Our Common Future" میں بیان کردہ شواہد، مشاہدات اور بنیادی نکات سے اخذ کی گئی ہے۔ اس کا مقصد رپورٹ میں پیش کیے گئے مسائل کو عام قارئین کے لیے ایک بیانیہ انداز میں پیش کرنا ہے۔

کہانی میں زیرزمین پانی کے تیزی سے کم ہوتے ذخائر، آب پاشی کے لیے ضرورت سے زیادہ پمپنگ، پانی کی کم قیمت یا بے ضابطہ توانائی کے باعث بڑھتے ہوئے اخراج، اور صرف تکنیکی کارکردگی پر انحصار کرنے کے بجائے اجتماعی نگرانی، مناسب فصلوں کے انتخاب اور پانی کے اخراج کی حدود مقرر کرنے کی ضرورت جیسے موضوعات کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق غیر برفانی خشک ہوتے علاقوں میں پانی کے ذخیرے میں کمی کا سب سے بڑا حصہ زیرزمین پانی کے زوال سے متعلق ہے۔

اس کہانی کے گاؤں۔ کردار، مکالمے اور تمام واقعات مکمل طور پر فرضی ہیں۔

MANĀRA POLICY & PRACTICE

www.civicframes.org
www.manarapolicy.com

CIVIC FRAMES lighting the Path